



محمد اعظم خان

دہلیز کے پار

دہلیز کے پار

عمر اعظم خاں

مجھے یہ سوچ کر ہی تکلیف ہو رہی ہے کہ محض چند روز تک فون پر بھونکی جی مہنگو کرنے والے ایک اجنبی شخص کی خاطر تم ہمارے پرسوں کے پیارا اور عزت کو دواؤ پر لگا کر گھر کی دلیہ پر پار کر گئی۔ جی تو چاہتا ہے تمہارا لگا ہی گھونٹ دوں۔" "نواز نے ٹھسے سے کانپتے ہوئے بات کی تھی اور تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے پری کا گھٹا دبوچ لیا تھا، یہ سارا اس قدر راجا تک ہوا تھا کہ سب کھڑے دیکھتے رہ گئے تھے، نواز نے بری کا لگا اس قدر زور دے دیا تھا کہ اس کی آنکھیں باہر کواہل آتی تھیں۔

وہ پو لیو زوہ نانگوں کے ساتھ انگڑا تا ہوا، ایڈوکیٹ عادل کے چیمبر کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، اس نے صاف ستھری استری کی ہوئی کریم ٹکڑی شلوار قمیض پہن رکھی تھی، اس کے پاؤں میں جوگر اور کلائی پر گھڑی ہندھی ہوئی تھی، وہ خاموشی سے عادل چیمبر کے سامنے کھڑا تھا، اس نے اب تک نہ کسی سے کوئی بات کی تھی اور نہ ہی اپنے آنے کا مقصد ہی بیان کیا تھا، ایڈوکیٹ عادل اپنے کمرے میں بیٹھا، فائیکوں میں الجھا ہوا تھا، اس نے ایک دو بار فائل سے نظراٹھا کر باہر کی طرف نگاہ دوڑائی تھی اور اس کی نظر اس نوجوان پر بھی پڑی تھی، مگر اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور پھر سے فائیکوں میں گم ہو گیا تھا۔

ایڈووکیٹ عادل کو کسی انتہائی اہم کیس کے سلسلے میں ہائی کورٹ کے جج کے سامنے پیش ہو کر دلائل دینے تھے، اس لئے وہ اپنی تیاری کر رہا تھا، فائلوں کی ورک گردانی کے دوران اس کی نظر ایک بار پھر سے باہر کی طرف اٹھ گئی تھی، جہاں وہ نو جوان بدستور خاموش کھڑا تھا، پہلی بار جب ایڈووکیٹ عادل کی نگاہ اس نو جوان پر پڑی تھی تو اس نے اسے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، مگر اس نو جوان کو مسلسل وہاں کھڑے دیکھ کر اسے تشویش ہوئی تھی، اس لئے اس نے اسے منشی کو بلا کر اس نو جوان سے وہاں کھڑا ہونے کا سبب جاننے کے لئے بھیج دیا تھا۔

خوشی کو اپنی جانب آتے دیکھ کر نوجوان نے اپنے چہرے پر پریشانی سجائی تھی اور اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اللہ کے نام پر کچھ دینے کو کہا تھا، دن بھر طرح طرح کے بھکاری وہاں آتے تھے، وہ ایک پل کو وہاں رک کر اللہ کے نام کی صدا بلند کرتے تھے، اگر انہیں کچھ مل جاتا تو دعا نہیں دیتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے، اور نہ ملنے کی صورت میں معاف کر دیا اشارہ پا کر بھی وہاں رکتے نہیں تھے، لیکن وہ نوجوان کتنی ہی دیر سے اپنی جگہ کھڑا تھا، اس لئے اسے کچھ خوشی کو بھی الجھن ہونے لگی تھی۔

”کیا بات ہے، یہاں کیوں کھڑے ہو؟“ منشی نے قدرے سخت لہجے میں دریافت کیا تھا۔

”اللہ کے نام پر کچھ دے دو“ نو جوان نے اس قدر آہستہ سے کہا تھا کہ منشی بھی بمشکل ہی سن پایا تھا۔

اس کی بات سن کر منشی اس کے وہاں آنے اور خاموشی سے کھڑا رہنے کی وجہ جان گیا تھا، اس لئے اس نے اس نو جوان سے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا اور نو جوان کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایڈوکیٹ عادل کے پاس جا پہنچا تھا۔

”کیا کہہ رہا ہے وہ.....؟“ ایڈوکیٹ عادل نے منشی کے آتے ہی اس نو جوان کے بارے میں سوال کیا تھا، کیونکہ جب سے اس کی نگاہ اس نو جوان پر پڑی تھی، وہ پوری طرح غامضوں کو توجہ نہیں دے پا رہا تھا۔

”بھکاری ہے سر.....“

”شکل و صورت سے تو بھکاری نہیں لگتا“

”یہ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں سر..... لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نئے نئے روپ دھارتے ہیں، تاکہ لوگ ان پر ترس کھا کر زیادہ سے زیادہ بھیک دیں“

”تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں، ورنہ دل تو نہیں مان رہا“ عادل نے بات کی اور پھر کچھ سوچنے کے بعد بولا.....

”تم ایسا کرو، اسے میرے پاس بلا کر لاؤ“

”چھوڑیں سر جی، کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں..... میں اسے کچھ دے دلا کر فارغ کر دیتا ہوں.....“

”اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو اور جیسا میں نے کہا ہے، ویسا کرو“ ایڈوکیٹ عادل نے سختی سے بات کی تھی، اس لئے منشی خاموشی سے گردن جھکا کر منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ چار بہنوں کے بعد بہت سی منتوں اور دعاؤں کے بعد کوثر کے ہاں پیدا ہوا تھا، بیٹا پیدا ہونے پر اشرف کا سینہ بھی چوڑا ہو گیا تھا، اشرف گلی گلی ریڑھی پر سبزی بیچا کرتا تھا، جس سے گھر کے اخراجات کسی نہ کسی طرح پورے ہو جاتے تھے، خادم حسین کے پیدا ہونے پر وہ اس قدر خوش تھا کہ تین روز تک سبزی بیچنے کے لئے بھی نہیں گیا تھا، کوثر نے اسے بار بار سمجھایا تھا ”اس طرح گھر میں بیٹھ کر گزارہ نہیں ہوگا“ تب کہیں جا کر وہ بمشکل کام پر جانے کے لئے تیار ہوا تھا۔

اشرف صبح سویرے ہی سبزی منڈی چلا جاتا تھا، وہاں سے سبزی خرید کر لانے تک سورج نکل آتا تھا، پھر ناشتے کے بعد وہ جلدی سے ریڑھی پر سبزی سجا کر بیچنے کے لئے نکل پڑتا تھا، گلی گلی جا کر سبزی بیچنے سے فارغ ہونے تک اسے شام ہو جایا کرتی تھی، جس روز گامکلی کم ہوتی تھی، اس روز وہ اور بھی لیٹ گھر پہنچتا تھا، صبح جلدی اٹھنے اور دن بھر کا تھا ہمارا ہونے کی وجہ سے کھانا کھانے کے بعد چار پانی پر لیٹتے ہی اسے ایسی گہری نیند آتی تھی کہ پھر صبح تک اسے اپنی کوئی خبر نہیں ہوتی تھی۔

بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائے جا رہے تھے، کوثر نے اشرف سے کئی بار خادم حسین کو پولیو کے قطرے پلانے کے لئے لے جانے کو کہا تھا، مگر نہ وہ وقت نکال پایا تھا اور نہ وہ خود ہی بچیوں کو اکیلی چھوڑ کر گھر سے نکل پائی تھی، حیران کن بات یہ تھی کہ گھر گھر جا کر پولیو کے قطرے پلانے کے دعووں کے باوجود، قطرے پلانے والی ٹیم کا بھی کوئی رکن ان کے گھر تک نہیں پہنچا تھا اور یوں خادم حسین کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائے نہیں جا سکے تھے۔

وقت گزر گیا تھا اور بات آئی گئی ہو گئی تھی، کسی کو یاد بھی نہیں رہا تھا کہ خادم حسین کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے نہیں پلائے گئے تھے، خادم حسین دیکھنے میں تو اچھا بھلا صحت مند تھا مگر چلتے چلتے اچانک گر جاتا تھا، پہلے چاہل تو کوثر نے اس بات کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی تھی، مگر جب وہ چلتے چلتے بار بار گرنے لگا تو کوثر کو تشویش ہونے لگی تھی اور اس نے خاوند کے واپس آنے پر اس کے کانوں میں بھی یہ بات ڈال دی تھی۔

”زیادہ وہم نہیں کیا کرتے..... وہ چار دن اس کی ٹانگوں پر تیل کی مالش کرو، پھر دیکھنا گھوڑے کی طرح دوڑنے لگے گا“ بیوی کی بات سن کر اشرف نے تسلی دیتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔

”تم کہتے ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لیتی ہوں“ کوثر نے افسردہ لہجے میں بات کی تھی۔

”اب چھوڑ بھی دو اس بات کو اور جا کر میرے لئے روٹی لاؤ، بہت زوروں کی بھوک لگی ہے“ اشرف نے کوثر کو ڈانٹ دیا تھا، اس لئے وہ کچھ بول نہیں پائی تھی اور اس کے لئے کھانا لانے چلی گئی تھی۔

خاوند کے کہنے پر کوثر، بیٹے کی ٹانگوں پر سرسوں کے تیل کی مالش کرنے لگی تھی، لیکن ایک ہفتے تک مسلسل مالش کرنے کے باوجود بھی خادم حسین کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آئی تھی، وہ اب بھی پہلے کی طرح چلتے چلتے گر پڑتا تھا۔

”تمہارے کہنے پر میں نے دو چار دن کی بجائے ایک ہفتے تک خادم حسین کی ناگوں پر تیل کی مالش کر کے دیکھ لی ہے، مگر اسے کچھ فرق نہیں پڑا“ کوثر نے خاوند سے ڈرتے ہوئے بات کی تھی۔

”اب تم کیا کہتی ہو؟“

”میں کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہو تو کسی ڈاکٹر یا جراح کو دکھالیں“

”یہ کچھ پیسے رکھ لو، کل دن کے وقت اسے جراح کے پاس لے جانا“ اشرف نے جیب سے کچھ روپے نکال کر کوثر کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔

اگلی صبح کوثر، خادم حسین کو جراح کے پاس لے گئی تھی، کوثر نے اسے تمام تر تفصیل بیان کر دی تھی، اس نے خادم حسین کی ناگوں کا بغور معائنہ کیا تھا اور پھر کئی طرح کے تیل لگا کر اس کی دونوں ناگوں پر پٹی کرنے کے بعد دو روز بعد دوبارہ پٹی کروانے کے لئے کہہ دیا تھا، کچھ روز تک جراح سے پٹیاں ہوتی رہیں، لیکن معمولی سا بھی فرق نہیں پڑا تھا، وہاں سے مایوس ہونے کے بعد وہ دونوں اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے، ڈاکٹر نے خادم حسین کی ناگوں کو دیکھتے ہی بتا دیا تھا کہ اسے پولیو ہے، پھر ڈاکٹر سے علاج ہونے لگا تھا، اس سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ اس کی ناگنیں مکمل طور پر تو مفلوج نہیں ہوئی تھیں، مگر وہ پوری طرح ناگوں پر بو جھ نہیں ڈال پاتا تھا، اس لئے لنگڑا کر چلتا تھا۔

خادم حسین کے والدین نے اپنی بھرپور کوشش کی تھی کہ کسی طرح وہ پڑھ لکھ جائے، لیکن اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ کئی بار نفل ہونے کے بعد بھی میٹرک کا امتحان پاس نہیں کر پایا تھا، والدین نے اپنے اکلوتے بیٹے کو تعلیم دلوانے کے لئے جو خواب دیکھے تھے وہ چکنا چور ہو گئے تھے۔

خادم حسین نے اپنے طور پر کئی جگہ ملازمت کی کوشش کی تھی، مگر ہر جگہ اس کی معزوری آڑے آ جاتی تھی، پھر ایک روز اس نے اپنی اسی معزوری کو ہتھیار بنا کر لوگوں سے بھیک مانگنے کا آسان راستہ اپنا لیا تھا، وہ کسی بھی دکان یا دفتر کے سامنے خاموشی سے جا کھڑا ہوتا تھا، جب کوئی اسے کچھ دے ڈالتا تو وہ آگے بڑھ جاتا تھا، ورنہ یونہی خاموش کھڑا رہتا تھا، آج اس نے ماڈل ٹاؤن پجھری کا رخ کیا تھا اور آہستہ آہستہ لنگڑا کر چلا ہوا ایڈووکیٹ عادل کے جیمبر کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

مٹھی کے ذریعے ایڈویکٹ عادل کا پیغام سننے کے بعد خادم حسین، اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا، عادل نے مقدمے کی فائلیں سیٹ کر ایک طرف رکھتے ہوئے خادم حسین کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھنے کے بعد اسے کرسی پر بیٹھنے کو کہا تھا۔

”بھیک مانگنے کی بجائے کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہیں کرتے؟“ ایڈویکٹ عادل نے خادم حسین کو اپنے سامنے بٹھا کر انتہائی نرم لہجے میں بات کی تھی۔

”کوشش تو بہت کی، مگر کسی نے کوئی کام نہیں دیا۔“

”کہیں ایسا تو نہیں کہ بھیک مانگنا تمہیں سب سے آسان کام لگا ہو؟“

”کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنا انتہائی مشکل کام ہے..... اس شخص کام کو کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے ضمیر کو مارنا پڑتا ہے..... تب کہیں جا کر کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ہمت ہوتی ہے۔“

”کچھ تھوڑا بہت پڑھے لکھے بھی ہو؟“

”میرے ماں باپ کی شدید خواہش تھی کہ میں پڑھ لکھ جاؤں..... لیکن میں بار بار کوشش کے باوجود بھی میٹرک پاس نہیں کر سکا۔“

”اگر میں تمہیں اپنے پاس یہاں ملازم رکھ لوں تو کیا تم کام کرو گے؟“

”جی کر لوں گا“ خادم حسین نے جھٹ سے جواب دیا تھا۔

”اچھی طرح سوچ لو..... اور اگر چاہو تو اپنے گھر والوں سے بھی مشورہ کر لو۔“

”میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں..... انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا، بلکہ وہ تو بہت خوش ہوں گے، کیونکہ میرے باپ نے ساری عمر ریڑھی پر سبزی لگا کر بیچتے ہوئے گزار دی..... اس لئے اس کی خواہش ہے کہ میں کسی دفتر میں کرسی میز پر بیٹھ کر کام کروں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے، کل سے ہی تم کام پر آ جاؤ۔“

ایڈویکٹ عادل کی بات سن کر خادم حسین کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی، اس نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر ہاتھ ملا کر انگڑااتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

منشی کی میز کے سامنے ہی خادم حسین کے لئے بھی میز اور کرسی لگا دی گئی تھی، ایڈوائٹ عادل کے کہنے پر منشی نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ان دونوں کی غیر موجودگی میں وہاں آنے والے سالکوں سے کس طرح بات کرنی ہے اور اگر کسی کا فون آئے تو ان کا نام اور فون نمبر پوچھ کر کاغذ پر نوٹ کر لینا ہے۔

ایڈوائٹ عادل کا زیادہ تر وقت مختلف مقدمات کی بیرونی کے سلسلے میں عدالتوں میں ہی گزرتا تھا، دن بھر منشی بھی قاطعیت اٹھائے اس کے ساتھ ساتھ ہوتا تھا، اب ان کی غیر موجودگی میں آنے والے سالکوں کو انٹینڈ کرنے اور فون سننے کا کام خادم حسین، بخوبی نبھانے لگا تھا، ایڈوائٹ عادل اس کی کارکردگی سے بہت مطمئن تھا، وہ اسے جس کام کے سلسلے میں بھی کہیں بھجواتا تھا، خادم حسین وہ کام کر کے ہی لوٹتا تھا، عادل کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے خادم حسین کو اپنے ہاں ملازم رکھ کر نہ صرف نیکی کا کام کیا تھا بلکہ وہ اس کے لئے بھی فائدہ مند ثابت ہوا تھا۔ کئی بار ایڈوائٹ عادل کو خادم حسین سے رابطہ کرنے کی ضرورت پڑتی تھی، مگر وہ کڑ نہیں پاتا تھا، اس لئے اس نے خادم حسین کو موبائل بھی لے دیا تھا، تاکہ کسی وقت اس سے رابطہ کرنا ضروری ہو تو با آسانی کیا جاسکے۔

گھر کی تمام ضروریات اشرف ہی پوری کرتا تھا، اس لئے خادم حسین پر گھر کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی، اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ رقم ماں کی تلی پر رکھ دیتا تو وہ بخوشی لے لیتی تھی، مگر اس نے خود سے کبھی کچھ نہیں مانگا تھا، آفس سے ملنے والی تحفہ میں سے کچھ پیسے جیب میں جمع ہونے لگے تو خادم حسین کو مستیاں سو جھنسنے لگی تھیں، اب وہ آفس سے واپس گھر آنے کے بعد کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے میں جا گھستا اور موبائل لے کر بیٹھ جاتا تھا، اس نے ایس ایم ایس کے علاوہ گھنٹوں باتیں کرنے کا ہیکسج بھی کر دیا تھا، اوٹ پٹانگ میسج بھجوانا اور لوگوں کے نمبر ملا کر انہیں خواہ مخواہ جک کرنا، اب اس کا محبوب مشغلہ بن چکا تھا، کسی سے غلط نمبر مل جانے پر اسے جھازیں بھی سننا پڑ جاتیں تو اسے اس کی بھی کوئی پروا نہیں ہوتی تھی۔

اس رات بھی وہ دیر سے اسی کام میں لگا ہوا تھا، اس نے یونہی غیر ارادی طور پر کچھ نمبر دیا دیے تھے اور پھر موبائل کان سے لگا کر بیٹھ گیا تھا، اس طرف تیل ہونے لگی تھی، مگر بار بار تیل ہونے پر بھی کوئی فون انٹینڈ نہیں کر رہا تھا، وہ کال کاٹنے ہی والا تھا کہ ایک نسوانی آواز اس کے کانوں میں رس گھول گئی تھی، اس لڑکی کی آواز سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سوری تھی، شاید اسی لئے اس نے کافی دیر بعد فون انٹینڈ کیا تھا، اس نے لڑکی سے بات کرنے کی بجائے گھبرا کر جلدی سے رابطہ کاٹ دیا تھا۔

وہ رات بھر موہاگل پر سننے والی لڑکی کی آواز کے چادو میں کھویا رہا تھا، دن میں بھی وہی آواز بار بار کانوں سے ہوتی ہوئی اس کے دل کو گدگداتی رہی تھی، وہ ایک مل کے لئے بھی آفس کے کسی کام کو توجہ نہیں دے پایا تھا، آفس سے واپسی پر اس نے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور کمرے میں آ بیٹھا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ رات کو جس نمبر پر لڑکی سے بات ہوئی تھی، وہ جلدی سے وہی نمبر ملا کر اس کی مہترم آواز سنے، مگر نمبر ملانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا، اسے کمرے میں آئے ہوئے کتنی ہی دیر ہو گئی تھی، لیکن وہ موہاگل ہاتھ میں لئے کسی سوچ میں گم بیٹھا تھا، آج وہ ادھر ادھر سے آئے ہوئے مقصد سمیٹ بھی کسی کو فارورڈ نہیں کر رہا تھا، اس نے کئی بار لڑکی کا نمبر ملا یا تھا، لیکن پھر موہاگل کی جیل ہونے سے پہلے ہی منقطع کر دیا تھا۔

خادم حسین عجیب کیفیت سے گزر رہا تھا، آخر کار اس نے خود کو ہر طرح کی صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار کرتے ہوئے ہمت کر کے نمبر ملا یا اور موہاگل کان کو لگا کر بیٹھ گیا، ادھر بتل ہونے لگی تھی اور ادھر خادم حسین کے دل میں گھنٹیاں بجنے لگی تھیں، کال اٹینڈ کر لی گئی تھی اور وہی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی، جس نے پچھلی رات سے اسے بے چین کر رکھا تھا، لڑکی کی آواز سن کر خادم حسین خاموش رہا تھا، اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے قوت گویائی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔

”آپ کے سامنوں کی آواز بتا رہی ہے کہ آپ فون کان سے لگائے ہوئے ہیں، مگر آپ بات کیوں نہیں کر رہے؟“ لڑکی نے انتہائی دھیمے لہجے میں بات کی تھی۔

”میں..... اس خوف سے بات نہیں کر پار ہوں..... کہ کہیں آپ خفا نہ ہو جائیں“ خادم حسین نے بے ترتیب ہوتی ہوئی دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بات کی تھی۔

”کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ نے مجھے فون کیوں کیا؟“

”دراصل کل رات یونہی بے خیالی میں آپ کا نمبر مل گیا تھا..... جب آپ کی خوبصورت آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں نے جلدی سے کال کاٹ دی تھی..... مگر اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ آواز میری نیندیں اڑا دے گی..... اسی لئے آج بھی ڈرتے ڈرتے نمبر ملا یا تھا“

”آپ کو اس گستاخی کی کیا سزا دی جائے؟“ لڑکی نے اپنی فہمی کو دہاتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ آپ کے ہاتھ میں ہے“

”تو پھر آپ کی سزا یہ ہے کہ آج کے بعد آپ ہر روز اسی وقت مجھے فون کیا کریں گے..... اللہ حافظ“ لڑکی نے بات کرتے ہی فون بند کر دیا تھا اور موہاں ایک طرف دیکھتے ہوئے لیٹ گئی تھی۔



وہ چھوٹی سی تھی، جب اس کی ماں اسے تنہا چھوڑ کر اٹھ کر پیاری ہو گئی تھی، اسے یاد تھا کہ اس کی ماں اسے پری کہہ کر ہکا ر کرتی تھی، اور اسے اپنی گود میں اٹھا کر خوب پیار کیا کرتی تھی، نواز نے بیوی کے مرنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد دوسری شادی کر لی تھی اور فریحہ کو بیاہ کر گھر لے آیا تھا، پری کو اب تک ماں باپ کا بھرپور پیار ملا تھا، سو تیلی ماں نے بھی شروع کے ایک دو سال پری کو خوب پیار دیا تھا مگر جیسے جیسے اس کی اپنی اولاد ہوتی گئی، پری کو ملنے والا پیار تقسیم ہوتا چلا گیا، یہی وہ دن تھے جب پری کے اندر یہ احساس پلنے لگا کہ گھر میں اس کے باپ سمیت کسی کو بھی اس کی ضرورت نہیں تھی، وہ جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی، یہ احساس اس کے ساتھ ساتھ جوان ہوتا چلا گیا تھا۔

پری، بہن بھائیوں اور ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی گھر میں خود کو تنہا محسوس کرتی تھی، اس لئے اس نے اپنی ایک الگ دنیا بسالی تھی، جو اس کے کمرے کی دیواروں تک محدود تھی، جس میں وہ اور اس کی تنہائی ہوتی تھی، اعظمیڈ ہسٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد اس نے تعلیم کو بھی خیر باد کہہ دیا تھا، نواز کی دلی خواہش تھی کہ اس کی بیٹی مزید تعلیم حاصل کرے مگر اس نے کسی کی نہیں سنی تھی اور سب سے کٹ کر رہ گئی تھی، فضیل اور فاروق جیسے پیار کرنے والے بھائیوں اور چھوٹی بہن سندس کے ہوتے ہوئے بھی اسے گھر میں ایسا کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا، جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکے، اس لئے وہ شام ہوتے ہی اپنے کمرے میں قید ہو کر بیٹھ جاتی تھی۔

اسے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو گھنٹوں اس سے باتیں کرتا رہے، جس سے وہ اپنے دل کی ہر بات، ہر دکھ سکھ شیئر کر سکے، فون پر کسی اجنبی سے پہلی بار بات کر کے ہی اسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے یہی تو وہ شخص تھا، جس کی اسے ایک عرصے سے تلاش تھی۔



پری کو یقین تھا کہ وہ پھر سے فون ضرور کرے گا، اس لئے وہ دن بھر رات ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی، شام ہوتے ہی وہ اپنے کمرے میں گھس گئی تھی، اب موہاں اس کے ہاتھ میں تھا اور نگاہ دیوار پر لگی گھڑی پر جمی ہوئی تھی، اس نے اس بات کی قسلی کرنے کے لئے کہ اس کے موہاں کے سگنل تو آرہے تھے، کئی بار موہاں اٹھا کر

دیکھ لیا تھا، اچانک موبائل میں واہمیشن ہونے لگی تھی اور اس کی لائنیں چلنے بجھنے لگی تھیں، اس نے جلدی سے فون انیڈ کر کے کان کو لگا لیا تھا۔

”اب خیال آیا ہے فون کرنے کا“ پری نے فون کان سے لگاتے ہی شکوہ کرنے کے انداز میں کہا تھا۔
 ”میں سوچ رہا تھا، کہیں آپ مصروف نہ ہوں“ خادم حسین نے ڈرتے ڈرتے بات کی تھی۔
 ”مجھے کیا مصروفیت ہوتی ہے، بس فارغ ہی بیٹھی تھی“
 ”کل آپ نے جلدی سے فون بند کر دیا تھا، میں سمجھا شاید آپ ناراض ہو گئیں، اسی لئے آج بھی ڈرتے ڈرتے فون کیا ہے“

”اچھا..... آپ ڈرتے بھی ہیں؟“
 ”کل آپ سے پہلی بار بات ہوئی تھی ناں، اس لئے دل میں خوف سا تھا، شاید اسی لئے میں آپ کا نام بھی نہیں پوچھ پایا تھا“
 ”تو آج پوچھ لیں“
 ”پوچھ تو رہا ہوں“
 ”ویسے نام تو میرا پروین ہے، لیکن ابھی پری کہتے ہیں“
 ”پری..... بہت خوبصورت نام ہے..... بالکل آپ کی آواز کی طرح“
 ”اور آپ.....؟“

”خادم حسین..... ایڈووکیٹ خادم حسین“ تھوڑے ہی عرصے میں عادل جمیئر میں آنے والوں اور دن بھر فون کرنے والے افراد سے بات کرنے کی وجہ سے، خادم حسین نے بات کرنے کا سلیقہ اور ڈھنگ سیکھ لیا تھا، اس لئے پری کے سوال پر خادم حسین نے انتہائی صفائی سے جھوٹ بول ڈالا تھا۔
 ”پھر تو آپ بہت مصروف رہتے ہوں گے“
 ”جگ تو یہ ہے کہ دن بھر اس قدر مصروفیت رہتی ہے کہ دن گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا.....“
 ”یہ تو اچھی بات ہے“
 ”آپ اپنے بارے میں ابھی تو کچھ بتائیں“

”میں تو دن بھر گھر میں ہی ہوتی ہوں، نہ کہیں آتا، نہ کہیں جاتا“

”پر حقیقت میں ہیں کیا.....؟“

”جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا..... بس اب گھر کے کاموں کے سوا کوئی اور دوسری مصروفیت نہیں“

وہ ایک دوسرے کو جاننے کے لئے دیر تک اسی طرح کی باتیں کرتے رہے، خادم حسین نے ہلکیجھک کر وارکھا تھا، باتوں کے دوران ہی ایک گھنٹے ہونے پر کال خود بخود گئی تھی، ورنہ وہ نہ جانے کب تک باتیں کرتے رہتے۔

ان میں فون پر باتیں کرنے کا ایسا سلسلہ چلا کہ وہ کچھ ہی دنوں میں ایک دوسرے کے بارے میں بہت کچھ جان گئے تھے، بات آپ سے شروع ہو کر بے تکلفی میں داخل ہوئی تو آپ کی جگہ تم تک پہنچ گئی تھی، پہلے پہل ان کی یہ باتیں ایک دو گھنٹے تک محدود رہیں، مگر پھر وہ رات رات بھر جاگنے لگے، ان کی باتیں تمہیں کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آتی تھیں، رات رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے خادم حسین کی نیند بھی پوری نہیں ہو پاتی تھی، اس لئے وہ نہ صرف آفس لیٹ پہنچنے لگا تھا بلکہ نیند کی وجہ سے آفس میں بھی ادھر ادھر لڑکھاتا پھرتا تھا، کئی بار وہ جیسیر میں اکیلا ہوتا تو کمری پر بیٹھے بیٹھے بھی سو جاتا تھا۔

پری نے روز کا معمول بنالیا تھا، وہ شام ہوتے ہی جلدی سے گھر کے تمام کام نفا کر کمرے میں پہنچ جاتی تھی، وہ جانتی تھی کہ اب ادھر کوئی نہیں آئے گا، مگر اس کے باوجود وہ احتیاط سے دروازے کی کنڈی لگا لیتی تھی، تاکہ اگر کوئی اچانک ادھر آ نکلے تو وہ با آسانی صورت حال سنبھال سکے، ایسی ہی حالت خادم حسین کی تھی، اسے والدین اور بہنوں کو وقت دینے کی بجائے اس بات کی فکر لگی رہتی تھی کہ وہ کھانے سے فارغ ہو کر فوراً اپنے کمرے میں جاگھے اور کنڈی لگا کر پری سے باتیں کرے۔

اب خادم حسین، پری کا مسٹر پرفیکٹ بن چکا تھا، اس نے خادم حسین کو پہنوں کا راجہ بنا کر اپنے دل میں بسالیا تھا، اب اسے اس بات کی ڈرامی بھی پروا نہیں رہی تھی کہ گھر والوں میں سے کوئی اس سے بات کرتا ہے یا نہیں، اس نے اپنے من مندر میں ایک ایسا سماج محل تعمیر کر لیا تھا، جس میں ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی کوئی جگہ نہیں تھی، اس لئے وہ اٹھتے بیٹھتے اپنی ہی دنیا میں مگن رہنے لگی تھی۔

”تمہارے بہن بھائی کب کے اپنے اپنے کانچ اور یونیورسٹی چلے گئے، اور تمہارے پاپا بھی دیر ہوئی اپنے کام پر جا چکے ہیں، مگر تم اب انھی ہو.....؟“ فریحہ نے اپنے کمرے سے دن چڑھتا ٹھہر کر آنے پر پری سے سوال کیا تھا۔

”کوئی کام تھا کیا.....؟“ پری نے قدرے تلخ لہجے میں دریافت کیا تھا۔

”کام تو کوئی نہیں تھا، لیکن صبح جلدی اٹھنے کی بجائے دوپہر تک سوئے رہنا کچھ مناسب نہیں لگتا۔“
فریحہ نے پری کو سمجھانے کے لئے انتہائی نرم لہجے میں بات کی تھی۔

”مجھے جو اچھا لگے گا میں وہی کروں گی..... میرے لئے کیا اچھا ہے، کیا برا، یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔“
”یہ تو میں جانتی ہوں..... میری بیٹی تو بہت سمجھدار ہے، ماشاء اللہ“ فریحہ، پری کے لہجے کی تلقین کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی، مگر پھر بھی اس کی باتوں پر بھڑکنے کی بجائے اس نے پیار سے بات کرتے ہوئے کہا تھا۔

”میں کہاں سمجھدار ہوں..... سمجھدار تو آپ کے بچے ہیں۔“

”تم بھی میری بیٹی ہو..... اور جس طرح میں سندس کو سمجھاتی ہوں، اسی طرح تمہیں بھی سمجھار ہی ہوں، کیونکہ بچیوں کو زمانے کے اونچے نیچے کے متعلق سمجھانا، ماں کے فرائض میں شامل ہے۔“

”اگر آپ کا ٹیکچر شتم ہو گیا ہو تو میں ناشتہ کر لوں؟“

”ارے ہاں..... میں نے بھی تمہیں کئی بار سمجھانے کی کوشش کی ہے، کل تمہارے پاپا بھی کہہ رہے تھے کہ ہر وقت کمرے میں بند رہنے کی بجائے گھر میں بھی دلچسپی لیا کرو۔“

”پاپا کے بھی آپ نے ہی کان بھرے ہوں گے۔“

”میں تمہاری ماں ہوں، کوئی دشمن تو نہیں۔“

”چلیں ٹھیک ہے، آج سے کام والی کی ہی چھٹی کروادیں..... میرے خیال میں آپ کی کافی بچت ہو جائے گی۔“

”ایسی باتیں نہیں کرتے جیٹا..... تم برش وغیرہ کرلو، میں اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کے لئے اچھا سا ناشتہ بناتی ہوں۔“

”مجھے نہیں کرنا ناشتہ.....“ پری نے انتہائی غصے سے بات کی تھی اور پاؤں تلختی ہوئی اپنے بیڈروم میں چلی گئی تھی۔

فریحہ وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی تھی، وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑی پری کے رویے کے متعلق سوچ کر پریشان ہوتی رہی، پھر اس کے لئے ناشتہ تیار کرنے کچن میں چلی گئی تھی، اس نے ناشتہ تیار کر کے لڑے

میں رکھا اور پری کے کمرے میں پہنچ گئی تھی، جہاں وہ ابھی تک منہ پھلائے بیٹھی تھی، اس نے ماں کے آنے کی بھی کوئی پروا نہ کی تھی۔

”چلو میرا بیٹا..... شاہاش ناشتہ کرلو“ فریجہ نے پری کو کندھے سے پکڑ کر پیار سے اٹھاتے ہوئے کہا تھا، لیکن پری نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا، اور منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔

”اگر تم کو تو میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں؟“ پری کی ناراضگی کے باوجود، فریجہ ایک اچھی ماں ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

”آپ یہاں رکھ جائیں، میں خود ہی کر لوں گی“

”چلو ٹھیک ہے..... لیکن ناشتہ ضرور کر لینا بیٹا“ فریجہ نے پیار سے پری کو کہا اور بوجھل قدموں کے ساتھ کمرے سے نکل گئی تھی۔

فریجہ کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر تک لا پرواہی سے بیٹھی رہی تھی، پھر خود ہی ٹرے اٹھا کر اپنے سامنے رکھتے ہوئے ناشتہ کرنے لگی تھی۔

رات کو خادم حسین نے اپنے مقررہ وقت پر فون کیا تھا، اور ان میں ڈھیروں باتیں ہوئی تھیں، روز کی طرح انہوں نے کئی گھنٹے تک مسلسل باتیں کی تھیں، کئی مساجد سے تہجد کی اذانوں کی آوازیں آنے لگی تھیں، اس کے باوجود ان کی باتیں ختم نہیں ہوئی تھیں، پھر انہوں نے ایک دوسرے کو فون بند کر دینے کے لئے بمشکل رضی کیا تھا، یہ ان کا روز کا معمول تھا کہ گھنٹوں باتیں کرتے رہتے تھے، پھر بھی اگلے روز یوں باتیں کر رہے ہوتے تھے، جیسے برسوں بعد ان کی بات ہو رہی ہو۔

فون بند ہو گیا تھا، پری خادم حسین کے متعلق سنجیدگی سے سوچنے لگی تھی، اس نے سب رشتوں کو باری باری پلڑے میں ڈال کر دیکھا تھا، اسے ان سب سے ہماری خادم حسین کا پلڑا دکھائی دیا تھا، اس کے لئے گھر کی دلہیز کے پار ایک خوبصورت اور پرکشش دنیا آباد تھی، جس میں اسے دل و جان سے چاہنے والا، اس کا اپنا خادم حسین اس کی راہوں میں پلکیں بچھائے بیٹھا تھا، اس نے تمام پہلوؤں کا بغور جائزہ لیا تھا اور اس کے دل میں اس خیال نے اگڑائی لی تھی کہ گھر میں کڑھتے رہنے سے گھر کی دلہیز پار کر جانا زیادہ بہتر تھا، یہ خیال آتے ہی اس نے بیڈ چھوڑ دیا تھا اور الماری سے اپنے پہننے کے چند جوڑے نکال کر بیگ میں رکھ لئے تھے، الماری میں جو اس کا تھوڑا

بہت زور پڑا تھا، اس نے وہ بھی احتیاط سے بیگ میں رکھ لیا تھا اور پھر دروازے کی کنڈی کھول کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے نکل کر سنگ روم میں آ گئی تھی، اسے معلوم تھا کہ اس وقت سبھی گھر والے گہری نیند میں ہوں گے، پھر بھی وہ انتہائی احتیاط سے دبے قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی خاموشی سے مین گیٹ سے نکل کر سڑک پر آ گئی تھی، اس نے نہ صرف اپنا پورا بدن ایک بڑی سی چادر سے لپیٹ رکھا تھا بلکہ اپنے ہینڈ بیگ کو بھی چادر کے نیچے چھپایا ہوا تھا۔

وہ اپنے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے گھر سے نکل آئی تھی، مگر اب رات کی تاریکی میں آبادی سے گزر کر مین روڈ تک جاتے ہوئے وہ بہت ڈری ہوئی تھی، اس نے خود کو حوصلہ دیا اور تیز چیز قدم اٹھاتی ہوئی مین روڈ کے کنارے آ کھڑی ہوئی تھی، یہ وہی سڑک تھی، جہاں دن کے وقت گاڑیوں کا رش رہتا تھا، مگر اس وقت قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی، تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی گاڑی تیزی سے اس کے پاس سے گزر جاتی تھی، جسے وہ دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی، وہ دیر تک اسی کیفیت میں وہاں کھڑی رہی، پھر ایک رکشہ اس کے پاس آ کر رکھا تھا، رکشہ ڈرائیور نے پری کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا تھا، پری نے اس بات کی پرواہ کئے بغیر اسے ڈائیو کے اڈے تک چلنے کو کہا تھا، پھر رکشہ ڈرائیور کے اقرار پر وہ رکشے میں بیٹھ گئی تھی۔

رکشہ چلتے ہی وہ پچھلی سیٹ کے ایک کونے میں سٹ کر بیٹھ گئی تھی، دور کہیں سے فجر کی اذان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی، پھر اس کے بعد بہت سی مساجد میں اذانیں ہونے لگی تھیں، وہ اڈے پر پہنچ کر رکشے سے اتری تو صبح کی پو پھونس لگی تھی اور بالکی بالکی ی روشنی دکھائی دینے لگی تھی، انکوائری کاؤنٹر سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ملتان سے لاہور جانے کے لئے روانہ ہونے والی گاڑی میں ابھی کچھ وقت تھا، لیکن اس میں کوئی سیٹ خالی نہیں تھی، اس لئے وہ اس کے بعد جانے والی گاڑی کا ٹکٹ لے کر وینٹک روم میں بیٹھ گئی تھی۔

پری نے اس ڈر سے کہ کوئی جان پہچان والا شخص وہاں نہ آ جائے، چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا، اس نے اپنے آنے کی خبر دینے کے لئے خادم حسین کا نمبر ملا یا تھا، بار بار تیل ہو رہی تھی، لیکن وہ اٹھا نہیں رہا تھا، خادم حسین کے فون انیڈ نہ کرنے پر اس کو تشویش ہو رہی تھی، مگر اس نے اپنی کوشش جاری رکھی تھی، خادم حسین اس وقت گہری نیند میں تھا، اس لئے اسے سو باہل کی تیل سنائی نہیں دی تھی، پھر اس نے فون کی تیل کانوں میں پڑنے پر آنکھیں ملنے ہوئے یہ دیکھے بغیر کہ وہ کس کی کالی تھی، فون انیڈ کر لیا تھا۔

”میں پری بول رہی ہوں“ فون اٹینڈ کرنے پر پری نے موبائل اپنے ہونٹوں کے قریب کرتے ہوئے آہستہ سے کہا تھا۔

پری کی آواز سنتے ہی اس کی ساری سستی طمٹ ہو گئی تھی، مگر وہ اس وقت پری کا فون آنے پر پریشان ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا، اس لئے فوراً بولا..... ”اتنی صبح صبح فون کیا ہے..... سب خیر تو ہے ناں؟“

”میں تمہارے پاس لاہور آ رہی ہوں“

”لاہور.....!!؟؟؟“

”میرے وہاں آنے پر خوش ہونے کی بجائے تم تو پریشان ہو گئے ہو“

”مکرمات کوئی تو ہماری بات ہوئی تھی، اس وقت تو تم نے کوئی ذکر نہیں کیا تھا“

”دل کے فیصلے اسی طرح اچانک ہوا کرتے ہیں..... فی الحال اتنا بتا رہی ہوں کہ میں تمہارے لئے گھر سے بھاگ آئی ہوں، میں اس وقت ڈائریو کے اڈے پر بیٹھی ہوں، ٹھیک سات بجے یہاں سے گاڑی روانہ ہو گی، اور بارہ بجے تک لاہور پہنچ جائے گی، میں تمہیں گاڑی کا نمبر اور دیگر تفصیلات بھی بھیج کر رہی ہوں، اس کے بعد میرا موبائل بند ہوگا، بس تم ناٹم پڑائیو کے اڈے پر پہنچ جانا.....“ بات کرتے ہی پری نے کال کاٹ دی تھی، اس لئے خادم حسین کوئی بات کہہ نہیں پایا تھا، پری نے خادم حسین کو بھیج کرنے کے بعد فون آف کر کے بیک میں رکھ لیا تھا اور خاموشی سے ایک طرف بیٹھی وہاں آنے جانے والوں کو دیکھنے لگی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد پری کو احساس ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پہچانیں گے کیسے، یہ خیال آتے ہی اس نے بیک سے موبائل نکال کر آن کرتے ہی پھر سے خادم حسین کا نمبر ڈائل کیا تھا، اس بار خادم حسین نے پہلی ہی قتل پر فون اٹینڈ کر لیا تھا۔

”مجھے ابھی ابھی یہ خیال آیا کہ ہم ایک دوسرے کو پہچانیں گے کیسے.....؟“

”جی سوچ کر میں پریشان ہو رہا تھا“

”میں اپنے بارے میں بتا دوں کہ میں نے سرخ پھولوں والی شلوار قمیض پہن رکھی ہے اور میرے ہاتھ میں سرخ رنگ کا ہی چنڈ بیگ ہوگا.....“ پری نے اپنے بارے میں بتایا تھا، پھر کچھ سوچ کر بولی..... ”اور میں تمہیں کیسے پہچان پاؤں گی؟“

پری کا سوال سن کر ایک ہل کو خادم حسین الجھ کر رہ گیا تھا، پھر جلدی سے سمجھل کر بولا....." میرے ہاتھ میں گلاب کا سرخ پھول پکڑا ہوگا"

".....how romantic" خادم حسین کی بات سن کر پری نے چپکتے ہوئے کہا تھا، پھر خود ہی بولی....." اچھا اب میں موبائل آف کر رہی ہوں، باقی باتیں ملنے پر ہوں گی"

پری کے فون اور گھر سے بھاگ آنے کی خبر نے خادم حسین کی نیند اڑا کر رکھ دی تھی، اس نے تو کبھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا کہ محض دل لگی کی خاطر فون پر کی جانے والی باتیں کبھی ایسا روپ دھار لیں گی، موسم کافی خوشگوار تھا مگر وہ پسینے میں بھیگ گیا تھا، فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان حالات میں کیا کرے، مگر کچھ دیر بعد ہی اس نے یہ سوچ کر خود کو سمجھایا تھا کہ سب سے پہلا کام پری کو لینے ڈائیو کے اڈے پر جانا تھا، جس کے لئے آفس سے چھٹی کا کوئی نہ کوئی بہانہ بنانا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، پھر جب وہ پری کو گھر لے آئے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے گھر والے پری کو دیکھ کر خوش نہ ہوں۔

سارے پروگرام کی منصوبہ بندی کرنے میں کافی وقت لگ گیا تھا، کوثر بیٹے کے لئے ناشتہ تیار کئے بیٹھی تھی، لیکن وہ ابھی تک اپنے کمرے سے نہیں نکلا تھا، اس لئے اسے فکر لگ گئی تھی اور وہ اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

"آج دفتر نہیں جانا کیا.....؟" کوثر نے کمرے میں داخل ہونے پر خادم حسین کو چار پائی پر لیٹے دیکھ کر سوال کیا تھا۔

"نہیں ماں..... آج آفس نہیں جانا"

"خیر تو ہے ناں.....؟"

"ہاں..... آج میں تمہارے لئے بہو لینے جا رہا ہوں" خادم حسین نے ماں کے قریب ہوتے ہوئے لاڈ سے بات کی تھی۔

"پاگل نہ ہو تو..... رشتے یوں راہ چلتے تھوڑے سی مل جاتے ہیں..... ویسے بھی ہم غریبوں کو، کوئی ہمارے جیسا غریب ہی رشتہ دے گا"

"اگر میں کوئی پری تمہاری بہو بنا کر لے آؤں..... تو تم کیا کہو گی؟" بیٹا، ماں کو صبح ہی صبح جھٹکے پہ جھکا دے رہا تھا، اس لئے ماں لا جواب ہوئی خاموش کھڑی بیٹے کو دیکھے جا رہی تھی، بیٹے کی باتیں سن کر اس کی آنکھوں

میں آنسو تیرنے لگے تھے، وہ بیٹے کی باتوں کی گہرائی کو سمجھ نہیں پائی تھی اور انہیں مزاح سمجھ کر جاتے جاتے کہہ گئی تھی ”جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ، تمہارا ناشتہ بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“

خادم حسین نے اپنے آفس نہ آنے کی اطلاع دے دی تھی اور ہاتھ روم میں ٹھس میا تھا، نہانے کے بعد اس نے اپنی پسندیدہ چٹنٹ اور میچنگ شرٹ پہنی تھی، پھر ناشتہ کر کے گھر سے نکل پڑا تھا، اس نے پھولوں کے سٹال سے سرخ گلاب کا ایک پھول ٹہنی سمیت خرید کر پیک کر دیا تھا اور بس میں بیٹھ کر ڈرائیو کے اوڑے کے سامنے جا اتر تھا۔ ابھی گاڑی کے آنے میں کافی وقت تھا، وہ ویٹنگ روم میں بیٹھ کر انتظار کرنے کی بجائے باہر کھڑا ٹھیلنے لگا تھا، جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا، خادم حسین کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی، اس نے پری سے بات کرنے کے لئے ایک دو بار فون مٹانے کی کوشش کی تھی، لیکن فون مسلسل آف جا رہا تھا، فون آف کرنے کے بارے میں پری نے اسے پہلے سے بتا دیا تھا مگر اس کی بے قراری کو کسی بھی طرح قرار نہیں آ رہا تھا۔



صبح سے دو پہر ہو گئی تھی، مگر ابھی تک پری کے گھر میں سے کسی کو کبھی، اس کے گھر سے بھاگ جانے کے بارے میں علم نہیں ہوا تھا، پری کی بہن اور دونوں بھائی اپنے اپنے کالجوں میں کب کے جا چکے تھے، نواز کو کبھی اپنے کام کے لئے گھر سے نکلے کافی دیر ہو گئی تھی، ان کے ہاں کام کے لئے آنے والی ماسی پورے گھر کی صفائی کے بعد آخر میں پری کے کمرے کی صفائی کے لئے آئی تھی، وہ ہر روز اسی وقت صفائی کے لئے وہاں آتی تھی، اس کے آنے پر پری بھی بیڈ چھوڑ کر واش روم میں جا گھسکتی تھی، آج پری کو وہاں نہ پا کر ماسی کو تشویش ہوئی تھی، کیونکہ اس نے گھر کی صفائی کے دوران بھی کہیں پری کو گھر میں نہیں دیکھا تھا اور اب وہ اپنے بیڈ روم میں بھی موجود نہیں تھی۔

”بی بی جی..... پری بی بی گھر میں بھی کہیں دکھائی نہیں دی اور اپنے کمرے میں بھی نہیں..... کہیں گئی ہے کیا.....؟“ ماسی نے پری کے کمرے کی صفائی سے فارغ ہونے کے بعد فریج کے پاس آ کر دریاقت کیا تھا۔

ماسی کی بات سن کر فریج کو چکرا گیا تھا اور چہرے کی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی تھی، مگر اس نے فوری طور پر خود کو سنبھالا اور بولی..... ”وہ آج سندس کے ساتھ اس کے کالج گئی ہے، تھوڑی دیر میں آ جائے گی“ فریج نے ماسی کو ٹالنے کے لئے جھوٹ بولا تھا اور وہ فریج کے جواب سے مطمئن ہو کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

ماسی چلی گئی تھی، مگر فریج کا پورا بدن کاپٹنے لگا تھا، اس کو گھر کی ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، قریب تھا

کہ وہ چکرا کر گر پڑتی، وہ سانس لینے کی خاطر کچھ دیر کے لئے صوفے پر بیٹھ گئی تھی، کچھ دیر بعد اس میں اتنی ہست پیدا ہو گئی تھی کہ وہ پری کے بیڈروم میں جا کر خود حالات کا جائزہ لے سکے، وہ بوجھل قدموں کے ساتھ پری کے کمرے تک پہنچی تھی، کمرے کے علاوہ اس نے داش روم کا دروازہ کھول کر بھی دیکھا تھا مگر پری کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی، اس کے بعد اس نے اپنی تسلی کے لئے گھر کا ایک ایک کونہ چھان مارا تھا، لیکن پری کہیں بھی نہیں تھی، فریجہ یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اگر وہ گھر میں نہیں تو پھر کہاں چلی گئی تھی۔

فریجہ نے اپنے موبائل سے کئی بار پری کا نمبر ملا یا تھا مگر وہ آف جا رہا تھا، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کمرے تو کیا کرے، وہ دیوانوں کی طرح پری کو گھر میں یہاں وہاں ڈھونڈتی ہوئی ایک بار پھر پری کے بیڈروم میں چلی آئی تھی اور اس بار اس کے کمرے کی الماری کھول کر دیکھی تھی، الماری سے اس کے پہننے کے کچھ جوڑے اور جینوری غائب تھی، تھوڑی سی دیر میں اس کی حالت اس پاگل کی سی ہو گئی تھی، جس کے سوچنے، سمجھنے کی صلاحیتیں جواب دے چکی ہوں، جب اسے کوئی اور راہ دکھائی نہ دی تو اس نے نواز کو پری کے بارے میں تمام حالات سے آگاہ کر دیا اور خود پری کے بیڈ پر ہی ڈھیر ہو گئی۔

بیٹی کے گھر سے غائب ہو جانے کے بارے میں جان کر نواز اسی وقت آفس سے نکل پڑا تھا، اس نے راستے میں ہی آتے ہوئے اپنے دونوں بیٹوں، فضیل اور فاروق کو بھی موبائل پر فون کر کے فوراً گھر آنے کو کہہ دیا تھا، نواز کے گھر پہنچتے تک فریجہ، پری کے کمرے سے اٹھ کر ڈرائیونگ میں آ گئی تھی اور اب سر پکڑے بیٹھی تھی، نواز اس کے پاس ر کے بغیر پری کے بیڈروم کی طرف گیا تھا، اسے دیکھ کر فریجہ بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوئی تھی، بیڈروم میں پہنچنے پر فریجہ نے پری کے بیڈروم کی الماری کھول کر دکھائی تھی، وہ دونوں ابھی وہیں کھڑے تھے کہ فضیل اور فاروق بھی وہیں پہنچ گئے تھے۔

”آپنی کوفون کر کے دیکھنا تھا..... شاید کسی دوست کے پاس گئی ہوں“ فضیل نے اپنی رائے دی تھی۔
 ”کئی بار فون کر کے دیکھا ہے، اس کا موبائل مسلسل آف جا رہا ہے“ فریجہ نے فضیل کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔

”میں ٹرائی کر کے دیکھتا ہوں..... شاید بیٹری ڈاؤن ہو، اب آن کر لیا ہو“ یہ کہتے ہوئے فضیل، پری کا نمبر ملائے لگا تھا، اسے دیکھ کر فاروق بھی اپنے موبائل سے پری کا نمبر ٹرائی کرنے لگا تھا۔



گاڑی مقررہ وقت پر پہنچی تھی، مگر خادم حسین نے طویل انتظار کیا تھا، اب اس کے دل کی دھڑکنیں اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں، گاڑی اپنے ٹرمینل پر آ کر رک گئی تھی اور ایک ایک کر کے مسافرانے اترنے لگے تھے، اس نے گلاب کے پھول والی ٹشٹی جیب میں ڈال رکھی تھی اور ایک طرف کھڑا، گاڑی سے اترنے والے ہر مسافر کو بغور دیکھ رہا تھا، ادھر گاڑی میں بیٹھی پری کی بے تاب نگاہیں اپنے سپنوں کے رعبہ کو تلاش کر رہی تھیں، لیکن وہ اسے نہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ سب سے آخر میں گاڑی سے اتری تھی، سفر کے دوران ہی اس نے اپنے اوپر لی ہوئی چادر اتار کر بیک میں رکھ دی تھی اور جو سوٹ اس نے پہن رکھا تھا، اس کے ساتھ کا بیچنگ دوپٹے لگے میں ڈال لیا تھا، خادم حسین نے سرخ پھولوں والی شلوار قمیض پہنے اترنے والی لڑکی کو دور سے ہی پہچان لیا تھا، اس کا جسم قدرے بھاری تھا، چھوٹی چھوٹی، گول گول ہنٹوں جیسی آنکھیں تھیں اور رنگت بھی سیاہ ہوتے ہوتے رہ گئی تھی، وہی لڑکی جو کچھ لمحے پہلے تک اس کے سپنوں کی رانی تھی، اب وہ اسی لڑکی کو سامنے پا کر حیران و پریشان کھڑا دیکھ رہا تھا، گاڑی سے اترنے کے بعد اپنے ناویہ محبوب کو نہ پا کر پری پریشان کھڑی تھی، اس کی بے تاب نگاہیں اپنے محبوب کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں، خادم حسین اپنی جگہ پر کھڑا یہ سارا منظر اپنی نظروں سے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے گلاب کا پھول جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور آہستہ آہستہ پری کی جانب بڑھنے لگا، پری نے بھی ہاتھ میں گلاب کا سرخ پھول لئے ایک دبلے پتکے اور واجبی سی شکل و صورت کے نوجوان کو لنگڑا کر چلتے ہوئے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

جیسے جیسے وہ لڑکا، پری کے قریب ہوتا جاتا تھا، پری کے دل سے بار بار یہی سوال اٹھتا تھا "کیا لنگڑا کر چلتا ہوا اس کی طرف آنے والا نوجوان ہی اس کے سپنوں کا رعبہ تھا.....؟؟؟"۔ اب خادم حسین ہاتھ میں گلاب کا پھول پکڑے پری کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، اور وہ دونوں کسی تعارف کے بغیر ہی ایک دوسرے کو پہچان گئے تھے، لیکن ہر رات موہاگل پر گھنٹوں باتیں کرنے والے، آج ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے، مگر ان کے لب خاموش تھے، ان کے چہروں پہ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی کے کہیں کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے، ایسا دکھائی دے رہا تھا، جیسے ان کے خواب ٹوٹ کر بکھر گئے تھے، اور ان کے سپنوں کا تاج محل زمیں بوس ہو چکا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو پری.....؟" خادم حسین نے خاموشی کو توڑنے کے لئے بات کی تھی۔

”تم نے مجھ سے یہ بات چھپائی کیوں.....؟“

”کون سی بات.....؟!!“

”جیسی کہ تم دونوں ٹانگوں سے معذور ہو“

”بس اس موضوع پر کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی.....“

”پھر تو تم نے مجھ سے اور بھی نہ جانے کیا کیا چھپایا ہوگا..... اور کتنے ہی جھوٹ بولے ہوں گے“

”میرے خیال میں یہاں کھڑے رہنا مناسب نہیں..... ہم کہیں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں“

”جو کچھ کہنا ہے..... یہیں کہو“

”اچھا ہم وہاں سامنے اس بیچ پر تو بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں ناں.....“ خادم حسین نے ایک خالی بیچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا اور پری کا جواب سنے بغیر اس بیچ کی طرف چل پڑا تھا، پری بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوئی تھی، خادم حسین کے کہنے پر پری بیچ پر بیٹھ گئی تھی، مگر وہ خود کھڑا رہا تھا۔

پری کو دیکھ کر خادم حسین بڑی طرح الجھ کر رہ گیا تھا، اسے نہیں معلوم تھا کہ جس لڑکی کی آواز نے اسے اپنے صحر میں گرفتار کر رکھا تھا، وہ دیکھنے میں قابل قبول صورت کی مالک بھی نہیں ہوگی، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، انتہائی سوچ بچار کے بعد اس نے اس معاملے میں ایڈوکیٹ عادل سے مشورہ کرنے کا پروگرام بنالیا اور فون کرنے کے لئے پری سے معذرت کر کے ایک طرف ہو کر نمبر ملانے لگا۔

”سر میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا تھا“ ایڈوکیٹ عادل کے فون انیڈ کرنے پر خادم حسین نے ہمت کر کے بات کی تھی۔

”ہاں کہو..... میں سن رہا ہوں“

ایڈوکیٹ عادل سے اجازت ملنے پر خادم حسین نے اپنے اور پری کے بارے میں تمام باتیں کھل کر بتا دی تھیں، ایڈوکیٹ عادل نے خادم حسین کی باتیں اطمینان سے سنی تھیں اور اس کی کم عقلی اور بیوقوفی پر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

”اس سے پہلے کہ تم کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ..... کسی بھی طرح لڑکی کو فوری طور پر واپس ملتان جانے والی گاڑی پر بٹھا دو..... اور اپنا موبائل آف کر کے آفس آ جاؤ“ ایڈوکیٹ عادل نے اپنی بات کرتے ہی

خادم حسین کا جواب سنے بغیر کال کاٹ دی تھی۔

ایڈوکیٹ عادل کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے خادم حسین نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ جلدی سے اپنا موبائل آف کر دیا، پھر واپس پری کے پاس آکھڑا ہوا تھا۔

”میں جانتا ہوں، مجھے دیکھ کر تمہیں سخت مایوسی ہوئی ہوگی..... اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی اپنے گھر واپس چلی جاؤ“

”یہ میرا پاگل پن تھا کہ میں محض تمہاری آواز کی خوبصورتی کے پیچھے بغیر کچھ سوچے کبھی گھر کی دہلیز پار کر آئی..... میں جانتی ہوں کہ مجھ جیسی بھدی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کے لئے کوئی بھی آسانی سے تیار نہیں ہو گا، اس کے باوجود میری ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے اسی قدر ٹوٹ کر چاہے، جس قدر کسی انتہائی خوبصورت اور جاذب نظر لڑکی کا شوہر اسے چاہتا ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ تم سے ہمدردی تو کی جا سکتی ہے..... محبت نہیں“

پری کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ خادم حسین کا سینہ زخمی کر گئے تھے، لیکن وہ پری کو کیسے کہتا کہ وہ تو خود اس سے جان چھوڑانے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا، اس کی بھی خواہش تھی کہ بے شک وہ فائج زدہ ناگھوں کی وجہ سے لنگڑا کر چلتا ہے اور شکل و صورت بھی بس قابل قبول سی ہے، مگر اس کی بیوی نہ صرف خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہو بلکہ اسے ٹوٹ کر چاہنے والی بھی ہو، مگر اسے دیکھ کر تو خود کو لعنت ملامت کرنے کو دل چاہ رہا تھا، کیا یہی وہ پری تھی، جس کی آواز نے اس کی نیندیں اڑا رکھی تھیں۔

”اسی لئے تو کہہ رہا ہوں..... جہاں سے آئی ہو وہیں لوٹ جاؤ“ خادم حسین نے پری کی بات کا برا منانے یا بات بڑھانے کی بجائے سکون سے بات کی تھی۔

”اب میں کس منہ سے واپس لوٹ جاؤں..... میرے پاپا تو مجھے زندہ دفن کر دیں گے“

”میرے خیال میں تو تمہارے واپس جانے پر انہیں سکھ کا سانس آ جائے گا..... اور ماں باپ تو ہمیشہ سے اپنے بچوں کی غلطیاں معاف کرتے آئے ہیں..... وہ بھی تمہیں معاف کر دیں گے“

خادم حسین کی بات سن کر پری کی آنکھوں میں آنسو حیرنے لگے تھے، اس کی باتوں کا جادو پھر سے اس پر چلنے لگا تھا، اس نے خاموشی سے گردن جھکا دی تھی اور آہستہ سے بولی تھی..... ”میں واپس نہیں جاؤں گی.....“

”دیکھو..... واپس تو تمہیں چانا ہی ہوگا..... محبت اور دل لگی میں فرق ہوتا ہے..... تمہارے اور میرے

درمیان آواز کا جو رشتہ قائم تھا..... وہ محبت کہاں تھی..... وہ تو وقت گزاری کا ایک ذریعہ تھا..... تمہیں اپنی تنہائیوں میں کوئی باتیں کرنے والا چاہئے تھا..... اور مجھے دل لگی کے لئے کسی تم جیسی لڑکی کی تلاش تھی.....“

”مگر میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا.....“

”میں نے کہا ناں..... جب ہم ایک دوسرے کے معیار پر پورے نہیں اتر رہے، تو ہمیں اپنی اپنی جگہوں پر لوٹ جانا چاہئے..... اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے..... اگر ہم کسی مصلحت کے تحت شادی کر بھی لیتے ہیں، تو یہ شادی زیادہ دنوں تک نہیں چل پائے گی..... کیونکہ جب دل ایک دوسرے کو قبول نہ کر رہے ہوں تو بھلا بہت مشکل ہو جایا کرتا ہے.....“

پری، خادم حسین کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دے پائی تھی اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

”تم یہیں بیٹھو..... میں ملتان جانے والی گاڑی کا پتہ کر کے آتا ہوں“ خادم حسین نے پری کی خاموشی کو رضامندی جان کر بات کی تھی اور انکوائری آفس کی طرف چل پڑا تھا۔

”میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں“ بات کرتے ہی پری بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور خادم حسین کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

ٹھیک چندر منٹ بعد ملتان کے لئے گاڑی روانہ ہونے والی تھی اور اس میں سیٹ بھی مل سکتی تھی، پری نے ٹکٹ لینے کے لئے اپنے بیگ سے پیسے نکال کر خادم حسین کے ہاتھ میں قہار دیے تھے، خادم حسین کی جیب میں اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ پری کو ٹکٹ لے دیتا، اس لئے اس نے خاموشی سے پری سے پیسے لے کر ملتان جانے کے لئے ٹکٹ کی ادائیگی کر دی تھی، وہ خادم حسین سے ٹکٹ لے کر خاموشی سے ویٹنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور خادم حسین وہیں کھڑا رہ گیا تھا، پری نے ویٹنگ روم میں جاتے ہی بیگ سے چادر نکال کر پھر سے خود کو اچھی طرح لپیٹ لیا تھا، جبکہ خادم حسین تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔



وقت گزرتا جا رہا تھا، مگر ان کے مسلسل ری ڈائل کرنے پر فون آف جا رہا تھا، انہوں نے سندس کے موبائل پر بھی کال کر کے پری کے متعلق پوچھا تھا، مگر اسے بھی پری کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا، پھر کچھ دیر بعد وہ بھی بہن کی پریشانی کی وجہ سے باقی کے پیریڈ چھوڑ کر کالج سے واپس گھر چلی آئی تھی۔

نواز کا شمار ملتان کے ان چند گئے چنے کاروباری لوگوں میں ہوتا تھا، جن کی کاروباری حلقوں میں ابھی ساتھ تھی۔ وہ کوئی بھی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا، جس کی وجہ سے اس کی بدنامی ہو اور لوگوں کو ہاتھ بٹانے کا موقع ملے، اس لئے اس نے پولیس میں رپورٹ کھسوانے کی بجائے، اپنے طور پر اس معاملے کو حل کرنے کا پروگرام بنالیا تھا، اس نے کسی نہ کسی طرح پچھلے ایک ماہ سے پری کے موبائل سے کی جانے اور وصول ہونے والی کالز کا ریکارڈ حاصل کر لیا تھا، جس سے باآسانی اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ جس نمبر سے پری کو کالز آتی رہیں، پری نے اسی نمبر پر آخری کال کی تھی۔

پری نے جس نمبر پر کال کی تھی، نواز نے اس سے رابطہ کرنے کے لئے وہی نمبر ملا یا تھا، مگر وہ نمبر بھی آف تھا، پھر بھی اپنی تسلی کے لئے اس نے کئی بار دہی ڈائل کیا تھا، لیکن ہر بار موبائل کے آف ہونے کی اطلاع دی جا رہی تھی، اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ کسی طرح یہ معلوم کیا جائے کہ وہ ہم جس کے استعمال میں تھی، اس کا نام اور پتہ حاصل کر کے اس کے پاس پہنچا جائے، یہاں بھی نواز کے تعلقات کام آئے تھے اور اس نے جیسے جیسے مکمل معلومات حاصل کرنی تھیں، پریشانی کی بات یہ تھی کہ پری نے وہ نمبر ایڈویٹ خادم حسین کے نام سے سیو کیا ہوا تھا، جبکہ ریکارڈ کے مطابق وہ ہم ایڈویٹ عادل کے نام پر جاری ہوئی تھی، اور اس پر عادل جیسبر، ماڈل ٹاؤن پکھری، لاہور کا ایڈریس درج تھا۔

ان معاملات میں الجھنے کا وقت نہیں تھا، نواز نے فوری طور پر فضیل کو اپنے ساتھ لاہور جانے کو کہا تھا اور فاروق کو گھر میں ہی رہنے کی ہدایت کی تھی، تاکہ اگر وہاں کہیں ادھر ادھر جانا پڑ جائے تو وہ گھر میں موجود ہو، پھر کچھ ہی دیر بعد وہ اپنی کار میں لاہور کے لئے روانہ ہو گئے تھے، نواز خود کارڈ رائیو کر رہا تھا، فضیل اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا، نواز کا بس نہیں چل رہا تھا، ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کسی طرح پلک چپکنے سے پہلے ملتان سے لاہور پہنچ جائے، وہ کار کو اڑاتا ہوا لے جا رہا تھا، فضیل کی نظر اچانک سپینڈیلر پر پڑی تھی، گاڑی ایک سو چالیس کی رفتار سے دوڑ رہی تھی، اس بات کا بھی خطرہ تھا کہ پریشانی اور اور سپینڈیلر کی وجہ سے کوئی حادثہ ہی پیش نہ آ جائے، سی این جی سٹیشن بند ہونے کی وجہ سے گیس ملنا ممکن نہیں تھا، اس لئے فضیل نے کسی پٹرول پمپ سے پٹرول کی نیکی خل کروانے کے لئے رکنے کو کہا تھا، نواز کے بس میں ہوتا تو وہ پٹرول ڈلوانے کے لئے بھی کہیں گاڑی نہ روکتا، لیکن پٹرول ڈلوانا بھی ضروری تھا، اس لئے اگلا پٹرول پمپ آنے پر وہ پٹرول ڈلوانے کے لئے رک گئے تھے، پروگرام کے مطابق پٹرول ڈلوانے کے بعد فضیل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

”تم اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو۔۔۔ گاڑی مجھے چلانے دو“ نواز نے تفصیل کوڈرا نیونگ سیٹ پر بیٹھے دیکھ کر کہا تھا۔
 ”آپ تھک گئے ہوں، پاپا۔۔۔ اب گاڑی میں چلا تا ہوں۔۔۔ آپ سکون سے کچھ سیٹ پر بیٹھ جائیں۔“
 تفصیل نے ایک سعادت مند بیٹے کی طرح بات کی تھی۔

بیٹے کی بات سن کر نواز نے مزید کوئی بحث نہیں کی تھی اور خاموشی سے گاڑی کی کچھلی سیٹ پر جا بیٹھا تھا، ایک بار پھر گاڑی فرلانے بھرنے لگی تھی نواز نے جیب سے موبائل نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اور پری کا نمبر ملانے لگا تھا، اس نے کئی بار کوشش کی تھی، لیکن اس کا موبائل آف جا رہا تھا، پھر وہ خادم حسین کا نمبر لڑائی کرنے لگا تھا، لیکن وہ بھی ابھی تک آف تھا، جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا نواز کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی، اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی زندگی میں اسے ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا، جب وہ رونا بھی چاہے گا تو رو نہیں پائے گا۔

کاروباری سلسلے میں نواز کا اکثر آنا جانا لگا رہتا تھا، اس لئے لاہور کے کبھی راستے اس کے دیکھے بھالے تھے، وہ کسی سے پوچھے اور کہیں ر کے بغیر ماڈل ٹاؤن پکھری پہنچ گئے تھے، انہوں نے مناسب جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کر دی تھی اور پکھری کے اندر چلے گئے تھے، پکھری میں ابھی تک گہما گہمی تھی، وکیل اپنے اپنے جیمپر میں بیٹھے تھے، وہ ہاپ بیٹا بھی ایک دو جگہ سے پوچھتے ہوئے عادل جیمپر کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے، جہاں ایڈوکیٹ عادل اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سالکوں کے ساتھ کیس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔

ایڈوکیٹ عادل کو اس بات کا پہلے سے خدشہ تھا کہ لڑکی کے وارنٹ موبائل نمبر کے ذریعے معلومات حاصل کر کے کسی بھی وقت وہاں پہنچ سکتے تھے، اس لئے اس نے خادم حسین کو موبائل آف رکھنے اور جب تک وہ نہ بلائے اس وقت تک ساتھ والے جیمپر میں بیٹھنے کو کہا تھا، اس نے فحشی کو بھی قہام صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا، وہ ذاتی طور پر خادم حسین کے معاملے میں الجھا ہوا تھا، لیکن بظاہر خود کو سالکوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف رکھے ہوئے تھا۔

”ایڈوکیٹ خادم حسین یہیں ہوتا ہے کیا۔۔۔؟“ کچھ دیر عادل جیمپر کے باہر کھڑے رہ کر جائزہ لینے کے بعد نواز اور تفصیل، فحشی کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے، اور خادم حسین کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

”ایڈوکیٹ خادم حسین۔۔۔؟؟“ خادم حسین کے نام کے ساتھ ایڈوکیٹ کا اضافہ سن کر فحشی نے حیران ہو کر دریافت کیا تھا۔

”جی نہیں تو یہی بتایا گیا تھا.....“

”عادل جیسے میں جو دیکھ رہی ہوں، ان میں سے تو کسی کا بھی نام خادم حسین نہیں..... ہاں ہمارے پاس خادم حسین نام کا ایک لڑکا ہے، مگر وہ تو آفس کے چھوٹے موٹے کاموں کے لئے رکھا ہوا ہے.....“

منشی کے منہ سے خادم حسین کے بارے میں جان کر نواز اور فضیل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا، پھر نواز، منشی کی طرف متوجہ ہوا اور بولا..... ”کیا اس سے ملاقات ہو سکتی ہے.....؟“

”مگر آج تو وہ نہیں آیا.....“

منشی کا جواب سن کر باپ، بیٹے کے چہرے پر مایوسی کی لہر پھیل گئی تھی اور وہ کسی سوچ میں پڑ گئے تھے، ایڈوکیٹ عادل نے اپنے کمرے میں بیٹھے، انہیں منشی سے باتیں کرتے دیکھ لیا تھا، اس نے پاس بیٹھے ہوئے سائنکوں کو جلدی سے خارج کر دیا تھا اور منشی کو بلا کر ان کے بارے میں دریافت کیا تھا، پھر منشی کے بتانے پر انہیں اپنے پاس بھیجنے کو کہا تھا، ایڈوکیٹ عادل کے پیغام پر وہ دونوں اسکے سامنے آ بیٹھے تھے، ان دونوں کے چہروں سے تھکاوٹ کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے، ایڈوکیٹ عادل نے ان کے ہنستے ہی منشی کو چائے کے لئے کہہ دیا تھا۔

”منشی بتا رہا تھا کہ آپ خادم حسین سے ملنا چاہ رہے ہیں.....“ ایڈوکیٹ عادل نے انتہائی نرم لہجے میں سوال کیا تھا۔

”ہمیں تو ایڈوکیٹ خادم حسین کا پتہ چلا تھا..... لیکن آپ کا منشی بتا رہا ہے کہ وہ یہاں آفس ہوائے ہے“

”جی..... خادم حسین کو میں نے آفس کے کاموں کے لئے رکھا ہوا ہے..... اور وہ ایڈوکیٹ تو کیا، میٹزرک پاس بھی نہیں ہے“ ایڈوکیٹ عادل نے بات کھول کر بیان کر دی تھی، پھر بولا..... ”آپ کے چہروں سے ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے آپ کو کوئی پریشانی ہے..... اگر میں آپ کے کسی کام آ سکتا ہوں تو آپ مجھے بتائیں“

”ہم اس کی تلاش میں ملتان سے یہاں آئے ہیں..... اور اگر ایک بار وہ ہمیں مل جائے تو ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے“

”اگر کوئی ایسی بات ہے تو میں اسے یہیں بلا لیتا ہوں..... پھر بچہ کر بات کر لیں گے“

”وہ..... وہ میری بیٹی کو فون کرتا رہا ہے، آج صبح سے وہ گھر میں نہیں، آخری بار میری بیٹی نے اسی کے نمبر پر بات کی تھی.....“

”یہ تو بہت دکھ کی بات ہے..... میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں“ ایڈوائٹ عادل نے افسردہ لہجے میں بات کی تھی اور پھر اپنے موبائل سے خادم حسین کا نمبر ملانے لگا تھا، وہ جانتا تھا کہ اسی کے کہنے پر خادم حسین نے اپنا موبائل آف کر رکھا تھا، پھر بھی ان دونوں کی تسلی کے لئے اس نے خادم حسین کا نمبر ملانے کی بار بار کوشش کی تھی۔

”اس کا نمبر تو بند جا رہا ہے..... میں فحشی کو بھیج کر ابھی اسے بلا لیتا ہوں..... آپ بے فکر رہیں، ہم بھی بیٹیوں والے ہیں..... اگر خادم حسین نے ایسی کوئی نیچ حرکت کی ہوگی تو آپ سے پہلے، میں اسے سزا دوں گا“ ایڈوائٹ عادل نے انہیں مکمل یقین دہانی کرواتے ہوئے کہا تھا، پھر فحشی کو خادم حسین کو وہاں لانے کے لئے بھجوا دیا تھا۔



گاڑی وقت مقررہ پر اڈے سے نکل گئی تھی، مکان سے لاہور جاتے ہوئے اس نے راستے میں ایک بار بھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ اس کے گھر سے عاب ہو جانے پر اس کے گھر والوں پر کیا بیٹے گی، بس خیال تھا تو اسے اپنے خوابوں کو پالنے کا، مگر وہ خواب منزل پر پہنچتے ہی ٹوٹ گئے تھے، وہ شکل و صورت کا اچھا ہوتا، گاڑیوں اور ہنگوں کا مالک ہوتا یا پھر سوسائٹی میں اس کا کوئی مقام ہوتا، تو پھر بھی بات بن سکتی تھی، مگر وہ تو شکل سے ہی کنگال لگ رہا تھا، ایسے انسان کے ساتھ زندگی گزارنا انتہائی کٹھن مرحلہ ہوتا، اس لئے وہ جس مقام سے چلی تھی، وہیں لوٹ جانے میں ہی سمجھداری تھی، یہی سوچ کر وہ بلاتا خیر گھر کی جانب واپس چل پڑی تھی، اس نے کئی بار چاہا کہ وہ موبائل آن کر کے اپنے اہل خانہ کو اپنے بارے میں اطلاع کر دے، لیکن ایسا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی، پھر کچھ ہی دیر بعد اس نے یہ سوچ کر موبائل آن کر لیا تھا کہ اگر اس کے گھر والے اس سے بات کرنے کی کوشش کریں تو باآسانی بات ہو سکے۔



”لیں جناب آگیا خادم حسین.....“ ایڈوائٹ عادل نے فحشی کے ساتھ خادم حسین کو آتے دیکھ کر اپنے سامنے بیٹھے نواز اور فیصل کو بتایا تھا۔

نواز اور فیصل کے چہرے ایڈوائٹ عادل کی طرف تھے، اس لئے وہ اسے دیکھ نہیں پائے تھے، ایڈوائٹ عادل کے بتانے پر ان دونوں نے ایک ساتھ گردن گھما کر دیکھا تھا، خادم حسین، فحشی کے پیچھے پیچھے لنگڑا کر چلا

ہوا آ رہا تھا، جیسے ہی خادم حسین کمرے میں داخل ہوا، فضیل پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے گریبان سے پکڑ کر اوپر تلے تین چار گھونے اس کے منہ پر جڑ دیے، خادم حسین دور جا گرا تھا اور اس کے منہ سے خون بہنے لگا تھا۔

”تمہاری اتنی ہمت کہ تم نے میری آبی کو اپنی چکنی چڑی اور جھوٹی بچی باتوں سے درغلا یا اور گھر سے بھگا لائے..... اگر میری بہن کو کچھ ہو گیا تھا..... تو زندہ تم بھی نہیں رہو گے.....“ فضیل نے ایک بار پھر خادم حسین کو گریبان سے پکڑ کر ایک جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

ایڈوکیٹ عادل اور غشی نے جلدی سے آگے بڑھ کر فضیل کو خادم حسین سے الگ کر دیا تھا، نواز بھی اپنی جگہ کھڑا خادم حسین کو گھورے جا رہا تھا، ڈرتا تھا کہ کہیں وہ بھی خادم حسین کی پٹائی نہ کر دے۔

”اس طرح کے معاملات لڑائی جھگڑے سے حل نہیں ہوا کرتے..... آپ لوگ اطمینان سے بیٹھیں..... خادم حسین ہمارے سامنے ہے، ابھی صورت حال معلوم ہو جائے گی“ ایڈوکیٹ عادل نے باپ بیٹے کو کرسیوں پر بٹھانے کے بعد پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

خادم حسین کے منہ سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا، اس نے جیب سے رومال نکال کر ایک دو بار خون صاف کیا تھا، مگر خون ابھی تک پوری طرح رکا نہیں تھا، ایڈوکیٹ عادل نے جان بوجھ کر خادم حسین کو باپ بیٹے سے دور، اس خوف سے اپنے پاس بٹھایا تھا کہ کہیں کسی بات سے بھڑک کر باپ بیٹے میں سے کوئی اس پر پھر سے حملہ نہ کر دے۔

”یہ ملتان سے آئے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ تم ان کی بیٹی کو بھگا کر لائے ہو.....“ ایڈوکیٹ عادل نے حقیقت حال جاننے کے لئے خادم حسین سے سوال کیا تھا۔

”میں اسے بھگا کر نہیں لایا..... وہ اپنی مرضی سے یہاں آئی تھی.....“ خادم حسین نے گردن جھکائے ہوئے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

”جھوٹ بول رہے ہو تم.....“ نواز چیخا تھا۔

”اس نے گھر سے نکلنے کے بعد مجھے فون کیا تھا کہ وہ گھر چھوڑ آئی ہے..... پھر بھی میں نے اسے یہاں پہنچنے ہی دیا پس ملتان کی گاڑی پر بٹھادیا تھا.....“ خادم حسین نے اپنی سفائی پیش کی۔

”میں کیسے مان لوں کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے.....“

”آپ فون کر کے اس سے بات کر لیں..... آپ کو خود ہی تسلی ہو جائے گی“

”اس کا فون ہی تو نہیں مل رہا۔۔۔“ نواز نے غصے سے بات کی تھی، پھر فضا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔ ”اس کا نمبر ذرا کی کر کے دیکھو۔۔۔ شاید اب آن کر لیا ہو۔“

باپ کا حکم سنتے ہی فضا نے اپنے موبائل سے پری کا نمبر ملانے لگا تھا، اس بار پہلی ہی کوشش سے پری کے موبائل پر تیل ہونے لگی تھی۔

”تم کہاں ہو آئی۔۔۔ ہم سب لوگ تمہاری وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں۔۔۔“ رابطہ ہوتے ہی فضا نے بلا تہیہ بات کی تھی، ابھی وہ جواب بھی نہیں دے پائی تھی کہ نواز نے فضا سے موبائل لے کر اپنے کان کو لگا لیا تھا، مگر ادھر سے ابھی تک خاموشی تھی۔

”پری تم بول کیوں نہیں رہی۔۔۔ تم ٹھیک تو ہوئیں۔۔۔؟“ نواز نے فون پکڑتے ہی کاہلے ہوئے بات کی تھی۔

”میں۔۔۔ ٹھیک ہوں پاپا۔۔۔“ پری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

”ہم تمہاری تلاش میں لاہور آئے ہوئے ہیں۔۔۔ مگر تم کہاں ہو؟“

”لاہور سے تو میں اسی وقت واپس آ گئی تھی۔۔۔ اب تو میں ملتان پہنچنے والی ہوں۔“

”میں ابھی فون کروں گا، فاروق تمہیں اڈے پر لینے آ جائے گا۔۔۔ بس میں بھی اس نوے لنگڑے فراڈ شخص کو پولیس کے حوالے کر کے یہاں سے چل پڑوں گا۔۔۔“

”جی پاپا۔۔۔“ پری نے ہنسنے لگا تھا، اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

نواز کے منہ سے خادم حسین کو پولیس کے حوالے کرنے کی بات سن کر ایڈوکیٹ عادل کے کان کھڑے ہو گئے تھے اور اس سے پہلے کہ نواز اس بارے میں کوئی بات کرنا فون بند ہوتے ہی وہ بول پڑا تھا۔۔۔ ”جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔۔۔ اس معاملے میں جتنا گناہ گار خادم حسین ہے، اس سے کہیں زیادہ قصور وار آپ کی بیٹی ہے۔۔۔“ ایڈوکیٹ عادل کی بات سن کر نواز کی آنکھیں پھیل گئی تھیں، مگر وہ کچھ کہہ نہیں پایا تھا، ایڈوکیٹ عادل کہہ رہا تھا۔۔۔ ”اگر کوئی لڑکی یہ نہ چاہے کہ کوئی انجینیئر اس سے فالو بات بھی کرے، تو میں نہیں سمجھتا کہ کسی لڑکے کو بھی اتنی جرات ہو کہ وہ پھر سے اس لڑکی کو فون کرے۔۔۔ اس میں کہیں نہ کہیں قصور وار ہم والدین بھی ہیں، جنہوں نے آزادی کے نام پر اپنی اولاد کو ہر طرح کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔۔۔“ بات سن کر نواز کی گردن جھک گئی تھی، مگر ایڈوکیٹ عادل نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔۔۔ ”آپ کا مجرم آپ کے سامنے ہے۔۔۔ آپ اس کے ساتھ جو بھی سلوک کرنا چاہیں۔۔۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔۔۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے کو

جتنا اچھالیں گے..... اتنی ہی آپ کی بدنامی ہوگی..... خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ آپ کی بیٹی عزت سے واپس گھر چلی گئی..... اب آپ بھی اسے گھر جا کر پیار سے سمجھائیں۔“

ایڈوکیٹ عادل کی بات نواز کے دل کو لگی تھی اور وہ کوئی بات کہنے بغیر اٹھ کھڑا ہوا تھا، اس کے اٹھتے ہی باقی کے لوگ بھی اٹھ گئے تھے، خادم حسین ڈراسہا اپنی جگہ پر بیٹھا رہا تھا، نواز اور فضیل ایڈوکیٹ عادل کے تعاون پر شکر یہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے تھے، ایڈوکیٹ عادل اور غشی ان دونوں کو چیمبر کے باہر تک چھوڑنے ان کے ساتھ ساتھ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

باپ بیٹے کا بھوک اور پیاس سے برا حال ہو رہا تھا، مگر انہوں نے پیٹ کی آگ بجھانے کی بجائے، عادل چیمبر سے نکلے ہی ایک بار پھر گاڑی ملتان کی طرف دوڑا دی تھی، ڈرائیونگ سیٹ پر اب بھی فضیل ہی بیٹھا تھا، مسلسل سفر اور بیٹی کی پریشانی نے نواز کا بدن چور چور کر ڈالا تھا، اس لئے وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کی بجائے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

”جینا..... بہن کا کوئی فون تو نہیں آیا.....؟“ گاڑی میں بیٹھے ہی نواز نے ملتان فون کیا تھا اور فاروق کے فون انینڈ کرنے پر پوچھا تھا۔

”نہیں پاپا..... ابھی تک تو پری آپنی کا کوئی فون نہیں آیا.....“ جب سے نواز اور فضیل گھر سے نکلے تھے، تب سے فریحہ، سندس اور فاروق ایک ہل کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھ پائے تھے، نواز نے چلتے ہوئے انہیں اسے فون کرنے سے بھی منع کر دیا تھا، اس لئے وہ فون بھی نہیں کر پائے تھے، لیکن اس دوران وہ کئی بار پری کا نمبر ملانے کی کوشش کر چکے تھے، مگر انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی، نواز کا فون آنے پر فریحہ اور سندس تیزی سے فاروق کے پاس آکھڑے ہوئے تھے۔

”ابھی کچھ دیر پہلے اس سے میری بات ہوئی تھی.....“

”پری آپنی ٹھیک تو ہے ناں پاپا.....؟“

”وہ تھوڑی دیر میں ملتان پہنچنے والی ہے..... تم اس سے فون پر رابطہ کر لینا اور اسے اوڑے سے جا کر

لے آنا.....“

”جی پاپا.....“

”اور دیکھو..... اپنی ماما سے بھی کہہ دو..... وہ آئے تو اس سے کسی قسم کی کوئی بات نہ کریں..... میں وہاں پہنچ کر خود اس سے بات کروں گا.....“

”ٹھیک ہے پاپا.....“

فون بند ہوا تو فریج اور سندس نے ایک ساتھ سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی، فاروق نے تسلی سے تمام تفصیل بیان کر دی تھی اور پھر پری سے رابطے کے لئے فون ملانے لگا تھا، رابطہ ہونے پر فاروق نے پری سے کوئی سوال نہیں کیا تھا، اس نے باپ کے حکم کے مطابق، گاڑی کی آمد کے بارے میں دریافت کرنے اور اسے لینے کے لئے آنے کا تانے کے علاوہ کوئی بات نہیں کی تھی۔

پری کے ملان پہنچنے میں تھوڑا ہی وقت رہ گیا تھا، اس لئے فاروق جلدی سے گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا تھا، ابھی وہ پہنچا ہی تھا کہ لاہور سے آنے والی گاڑی بھی آگئی تھی، اس لئے اسے انتظار میں کھڑے ہونا نہیں پڑا تھا، اس نے پری سے کوئی بات نہیں کی تھی، وہ بھی خاموشی سے گاڑی کی ہچکلی سیٹ پر آ بیٹھی تھی، پری کو لئے فاروق گھر پہنچا تو فریج اور سندس گیٹ پر ہی کھڑی ان کی راہ تک رہی تھیں، فریج نے آگے بڑھ کر بیٹی کو گلے لگا لیا تھا اور اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو چھلک پڑے تھے، سندس بھی بہن کے گلے لگ کر رو پڑی تھی، پری کی آنکھیں بھی نم تھیں، وہ کسی سے نظر نہیں ملا پارہی تھی اور گردن جھکا کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

”آپ تو بہت بھگداز ہیں آپنی..... مگر یہ آپ نے کیا کیا.....؟“ سندس نے پری کے پاس بیٹھتے ہوئے پیار سے بات کی تھی۔

”آپنی اس وقت پریشان ہیں..... ان سے کوئی سوال نہ کرو.....“ فریج نے سندس کو سمجھایا۔

ماں کے سمجھانے پر سندس نے خاموشی اختیار کر لی تھی، پری کے پاس بہن کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، اس لئے وہ اسی طرح گردن جھکائے بیٹھی رہی، مگر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کی جھولی میں گرنے لگے تھے، کمرے میں تین خواتین اور ایک مرد کی موجودگی کے باوجود مکمل سناٹا تھا، کچھ دیر بعد پری وہاں سے اٹھ کر اپنے بیدروم میں چلی گئی تھی، جبکہ باقی کے افراد اپنی اپنی سوچوں میں گم و ہیں بیٹھے تھے۔

باپ، چچا، عصاب شکن سفر کے بعد گھر پہنچے تھے، ان کے پہنچنے ہی فریج، سندس اور فاروق نے انہیں گھیر لیا تھا، وہ تینوں ہی اصل حالات سے ابھی تک بے خبر تھے، اس لئے تمام تر تفصیلات جاننے کے لئے

ہے بچپن ہو رہے تھے، نواز اور فاروق کی زبانی تمام تر بات سن کر وہ تھاقت سے آگاہ ہو چکے تھے، کچھ دیر بعد نواز نے پری کو وہاں بلا کر لانے کو کہا تھا، باپ کے حکم پر سندس، پری کو بلا لائی تھی اور اب وہ سب کے سامنے مجرم بنی بیٹھی تھی۔

”کسی کی آواز میں تم نے محبت ڈھونڈ لی..... اور ہم نے آج تک جو تم سے لاڈ پیار کیا..... اس میں کیا کوئی محبت نہیں تھی.....؟؟؟“ پری کو سامنے دیکھ کر نواز کا خون کھولنے لگا تھا اور وہ چیخ اٹھا تھا..... ”مجھے یہ سوچ کر ہی تکلیف ہو رہی ہے کہ محض چند روز تک فون پر جھوٹی ہچی گھٹکو کرنے والے ایک اجنبی شخص کی خاطر، تم ہمارے برسوں کے پیار اور عزت کو داؤ پر لگا کر گھر کی دلہیز پار کر گئی..... جی تو چاہتا ہے تمہارا گلہ ہی گھونٹ دوں.....“ نواز نے فیسے سے کانپتے ہوئے بات کی تھی اور تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے پری کا گلا دبوچ لیا تھا، یہ جملہ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ سب کھڑے دیکھتے رہ گئے تھے، نواز نے پری کا گلا اس قدر زور سے دبایا تھا کہ اس کی آنکھیں باہر کواٹل آئی تھیں۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ..... اس طرح بھی کوئی جوان بچیوں پر ہاتھ اٹھاتا ہے..... کیا جان سے مار ڈالیں گے اسے..... رہنے دیں آپ..... میں خود ہی اسے سمجھا لوں گی.....“ فریحہ نے پری کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر نواز کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔

”اسے یہ بھی بتا دینا..... کبھی کبھی کوئی نادانی زندگی بھر کے لئے بچھتاوا بھی بن جایا کرتی ہے.....“

”میں بتا دوں گی اسے.....“

پری کی روتے ہوئے ہچکیاں بندھ گئی تھیں، اس سے کوئی بات نہیں ہو پارہی تھی، اس نے روتے ہوئے بمشکل ”سوری پاپا.....“ کہا تھا۔

”تمہارے جیسی جن لڑکیوں کا دلہیز کے اندر دم گھٹتا ہو..... انہیں دلہیز کے اس پار کی دنیا بہت پرکشش اور رنگین محسوس ہوتی ہے..... مگر جب وہ انہیں پانے کی خواہش لئے گھر کی دلہیز پار کر جاتی ہیں..... تب انہیں احساس ہوتا ہے کہ دلہیز کے اس پار کی دنیا کس قدر بھیا تک ہے..... جہاں قدم قدم پر دھوکہ اور فریب ہے..... انسان کے روپ میں کتنے ہی شکاری جگہ جگہ اپنا اپنا جال بچھائے بیٹھے ہیں..... جو ہاتھ آئے ہوئے شکار کی بوٹیاں تک کوچ ڈالتے ہیں.....“

”اب بس بھی کریں..... بہتر ہے اس بات کو یہیں دفن کر دیا جائے..... ابھی تک تو یہ بات اس دلہیز سے پار نہیں گئی ہوگی..... اگر یہ بات دلہیز پار کر گئی تو بدنامی اور رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا.....“ فریجہ نے انتہائی نرم لہجے میں خاوند کو سمجھایا تھا، بیوی کی بات اس کے پلے پڑ گئی تھی اور وہ ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا تھا فریجہ نے پری کو اپنے پاس بٹھالیا تھا اور کسی بچے کی طرح اسے زمانے کے اونچ نیچ سمجھانے لگی تھی۔



خادم حسین نے اپنی ماں کو شروع سے اب تک بخش آنے والے تمام واقعات سے آگاہ کر دیا تھا، بیٹے کی بات سن کر کوثر نے اپنا سینہ پیٹ لیا تھا، خادم حسین کے منت سماجت کرنے پر وہ اسے ساتھ لئے عادل جیگر پہنچ گئی تھی، ایڈوکیٹ عادل کسی کیس کے سلسلے میں آفس سے نکلنے ہی والا تھا، مگر خادم حسین کے ساتھ اس کی ماں کو آتے دیکھ کر رک گیا تھا۔

”اے معاف کرو صاحب.....“ کوثر نے ایڈوکیٹ عادل کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ اس قابل نہیں کہ اسے معاف کیا جائے.....“ ایڈوکیٹ عادل نے تلخ لہجے میں بات کی تھی۔

”بچوں سے بھول ہوئی جاتی ہے.....“

”یہ بچہ نہیں..... ایک نمبر کا فراڈ ہے..... شکر کرو میں نے کسی طرح ان لوگوں سے اس کی جان بخشی کروا دی..... ورنہ یہ ان کے ہاتھوں مارا جاتا یا پھر جیل جاتا.....“

”ایک بار میرے جڑے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لو صاحب.....“ کوثر بیٹے کے لئے ایڈوکیٹ کے سامنے ہاتھ جوڑے منت سماجت کر رہی تھی۔

”میں نے خدا ترسی کر کے اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا..... مگر اے عزت داس نہیں آئی..... شاید اسے اس کی اوقات سے بڑھ کر مل گیا تھا..... لیکن اب میں اسے کسی صورت میں بھی اپنے ہاں نہیں رکھوں گا..... کیونکہ مجھے اپنی عزت سب سے زیادہ عزیز ہے..... اور میں اس کی خاطر اپنی عزت داؤ پر لگانے کے لئے ہرگز تیار نہیں.....“ ایڈوکیٹ عادل نے دو ٹوک بات کی تھی اور پھر وہاں سے نکل گیا تھا، کوثر اور خادم حسین اسے جاتا ہوا دیکھتے رہ گئے تھے۔



نواز کے کہنے پر فریجھ نے پری کا موبائل لے کر اپنے پاس رکھ لیا تھا، پری نے موبائل واپس لئے جانے پر کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کیا تھا، اسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس نے گھر کی دلیلیز پارکر کے بہت بڑی غلطی کی تھی، اپنی اس بھول کی وجہ سے وہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے لگائیں بھی نہیں ملا پاتی تھی اور ذرا ذرا سی بات پر رونے لگ جاتی تھی، تھوڑے ہی دنوں میں پری نے خود کو اس قدر بدل ڈالا تھا کہ فریجھ نے خوش ہو کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے موبائل واپس دے دیا تھا۔

آدھی رات کا وقت تھا، جب وہ گہری نیند کے مزے لے رہی تھی کہ اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی تھی، اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تھا، کسی unknown نمبر سے کال آ رہی تھی، موبائل پر مسلسل بیل ہو رہی تھی، وہ کچھ دیر تک موبائل کو دیکھتی رہی، پھر اچانک فون اٹینڈ کر کے کان سے لگا لیا تھا۔

